AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

دوسری جنگ عظیم کے محاذ اور برصغیر کے سپاہی: اردو خود نوشتوں کے آئینے میں

محسن حسن
پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ لسانیات و ادبیات (اردو)، قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، پشاور
ڈاکٹر تحسین بی بی
صدر شعبہ لسانیات و ادبیات (اردو)، قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، پشاور
داکٹر رئیس احمد مغل
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ لسانیات و ادبیات (اردو)، قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، پشاور

Abstract
The Second World War profoundly affected the lives of Indian soldiers, exposing them to hardships far beyond the battlefield. This study explores their physical, medical, environmental, and psychological experiences on different war fronts, particularly in Burma and North Africa. Dense forests, heavy rainfall, extreme heat, water shortages, infectious diseases, and inadequate medical facilities made military life increasingly difficult. The study also highlights the suffering of Indian prisoners of war under Japanese captivity, their physical and mental torture, and the lasting psychological consequences of warfare. Drawing upon Urdu autobiographical writings, particularly Bajang Aamad, Shutar Ghamzay, Amal Nama, Yade Ahde Rafta, Ashram and Ayub Khan's autobiography, it examines the human cost of war through the personal experiences and observations of soldiers. These autobiographical accounts serve as valuable historical documents, preserving the untold stories of suffering, courage, fear, and human endurance during the Second World War.

کلیدی الفاظ: دوسری جنگِ عظیم، ہندوستانی سپاہی، جنگی محاذ، جسمانی و نفسیاتی اثرات، جنگی قیدی، بیماریوں کے اثرات، انسانی المیہ، جنگی تجربات، اردو خود نوشتیں، جنگی دستاویزات۔

دوسری جنگِ عظیم ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء تک جاری رہنے والی ایک عالمی جنگ تھی جس نے دنیا کے بیشتر ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس جنگ کے آغاز کی اہم وجوہات میں پہلی جنگِ عظیم کے بعد پیدا ہونے والی سیاسی و معاشی بے چینی، جرمنی پر عائد سخت شرائط، ہٹلر کی توسیع پسندانہ پالیسیوں، نازی ازم اور فاشزم کا عروج شامل تھیں۔ ہٹلر کی سیاسی سوچ میں جرمن قوم کی برتری اور اس کے زیرِ اقتدار علاقوں میں توسیع کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ وہ اس تصور کا حامی تھا کہ جرمن نسل دوسری اقوام کے مقابلے میں زیادہ برتر ہے اور اسے اپنی آبادی اور طاقت میں اضافے کے لیے مزید علاقوں کی ضرورت ہے۔ اسی نظریے کے تحت اس نے مشرقی یورپ سمیت دیگر خطوں پر قبضہ کرنے کی پالیسی اختیار کی تاکہ جرمن قوم کے لیے زیادہ زمینیں حاصل کی جاسکیں۔ ہٹلر نے اپنی تقاریر اور سیاسی مہم کے ذریعے جرمن عوام میں نسلی برتری کا احساس پیدا کیا اور انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ جرمنی کو دوسری قوموں پر حکمرانی کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس کی توسیع پسندانہ سوچ محض علاقائی حدود بڑھانے تک محدود نہیں تھی بلکہ اس میں دوسری قوموں کو محکوم بنانے اور یورپ میں جرمن بالادستی قائم کرنے کا تصور بھی شامل تھا۔ یہی نظریاتی رجحان نازی حکومت کی جارحانہ پالیسیوں اور دوسری جنگِ عظیم کے آغاز کا بنیادی محرک بنا۔ Antony Beevor لکھتے ہیں:

> "Hitler was not interested merely in reoccupying the territory lost by Germany after the Versailles Treaty. He despised such a halfhearted step. He seethed with impatience, convinced that he would not live long enough to achieve his dream of Germanic supremacy. He wanted the whole of central Europe and all of Russia up to the Volga for German Lebensraum to

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

secure Germany's self- sufficiency and status as a great power. His dream of subjugated eastern territories had been greatly encouraged by the brief German occupation in 1918 of the Baltic states, part of Belorussia ."ے۱

جرمنی کی جانب سے پولینڈ پر حملے کے بعد برطانیہ اور فرانس نے جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا، جس سے یہ تنازع ایک عالمی جنگ میں تبدیل ہو گیا۔ اس جنگ میں اتحادی طاقتوں اور محوری طاقتوں کے درمیان طویل اور تباہ کن لڑائیاں ہوئیں، جن کے نتیجے میں لاکھوں انسان ہلاک ہوئے اور بے شمار شہر تباہ ہو گئے۔ بالآخر مئی ۱۹۴۵ء میں جرمنی نے ہتھیار ڈال دیے جبکہ اگست ۱۹۴۵ء میں امریکہ کی جانب سے جاپان کے شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹمی حملوں کے بعد جاپان نے بھی ہتھیار ڈالنے کا اعلان کیا۔ ستمبر ۱۹۴۵ء میں جاپان کے باضابطہ ہتھیار ڈالنے کے ساتھ دوسری جنگِ عظیم کا خاتمہ ہوا۔ یہ جنگ انسانی تاریخ کا ایک ایسا المناک واقعہ ثابت ہوئی جس نے عالمی سیاست، معیشت اور معاشرت پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

اردو خود نوشت میں دوسری جنگ میں شامل ہندوستانی افواج کے حالات اور مسائل کا ذکر اہم دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان خود نوشتوں میں سر رضا علی کی "اعمال نامہ"، ڈاکٹر عبادت بریلوی کی "یادِ عہدِ رفتہ"، جنرل ایوب خان کی "جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی"، ڈاکٹر شکیل الرحمان کی "آشرم"، کرنل محمد خان کی "بجنگ آمد" اور میجر اسحاق کی "شترِ غمزے" بہت اہم ہیں جن میں دوسری جنگ عظیم کے عوامل کو نہ صرف باریکی سے پرکھا گیا بلکہ نہایت تفصیل سے پیش بھی کیا گیا ہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران ہندوستانی فوج نے اتحادی طاقتوں کی جانب سے اہم کردار ادا کیا اور اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ اس کا اعتراف کرتے ہوئے سر رضا علی اپنی خود نوشت میں لکھتے ہیں:

> "۱۰ نومبر ۱۹۴۳ء ہے اور حالت یہ ہے کہ گو ایشیائی ممالک نے انگلستان کی مدد ابتدائے جنگ سے کی ہے نیز اٹلی کی جنگ میں شرکت کے بعد ہندوستانی فوجوں نے جس بہادری سے اطالوی فوجوں کا مقابلہ اور بالآخر ان کا قلع قمع کیا وہ دنیا پر روشن ہے غیر تیار اور تعداد میں کم ہونے کے باوجود بھی ہندوستانی دستوں نے جاپانی فوج کے مقابلہ میں ہمت نہیں ہاری افغانستان، ایران، عراق، فلسطین، شام، سعودی عرب اور مصر یہ سب کڑیاں اس زنجیر کی ہیں جس نے انگلستان کی حمایت میں لوہے کی دیوار کا کام دیا۔ ہندوستانی سپاہیوں کی بہادری اور جرات، عزم، اور استقلال کے علاوہ عرصہ سے ہمارا ملک رسد اور اس ضروری سامان کے بہم پہونچانے اور بعض ان آلات حرب کے بنانے اور تیار کرنے کا اڈا بنا ہوا ہے جن کے بغیر لڑائی جاری نہیں رہ سکتی۔"۲

اس زمانے میں ہندوستان برطانوی اقتدار کے ماتحت تھا، اس لیے ہندوستانی فوجیوں کو برطانوی فوجی نظام کے تحت مختلف محاذوں پر جنگ میں حصہ لینا پڑا۔ ساتھ ہی مہنگائی اور غربت کے مسئلے کے حل کا ایک راستہ مقامی افراد نے فوج میں بھرتی ہی تھا۔ ہندوستانی سپاہیوں کی بھرتی کے پس منظر میں معاشی مشکلات اور بے روزگاری نے اہم کردار ادا کیا۔ اس زمانے میں ہندوستان کے بہت سے خاندان غربت، محدود آمدنی اور روزگار کے ناکافی مواقع کی وجہ سے پریشان تھے۔ خصوصاً تعلیم حاصل کرنے کے باوجود مناسب ملازمت نہ ملنے کے باعث نوجوانوں کو شدید معاشی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ایسے حالات میں فوج میں بھرتی ہونا ان کے لیے روزگار حاصل کرنے اور اپنے خاندان کی مالی ضروریات پوری کرنے کا ایک اہم ذریعہ بن گیا۔ فوجی ملازمت کے ذریعے باقاعدہ تنخواہ، دیگر مراعات اور نسبتاً مستقل آمدنی کی امید نوجوانوں کو اس پیشے کی طرف راغب کرتی تھی۔ بہت سے افراد کے لیے فوج میں شمولیت کسی جنگی نظریے یا سیاسی مقصد سے زیادہ اپنی معاشی حالت بہتر بنانے کی کوشش تھی۔ اس طرح غربت، بے روزگاری اور مستقبل کے معاشی تحفظ کی خواہش نے ہندوستانی نوجوانوں کو فوجی بھرتی کی طرف مائل کرنے میں نمایاں حصہ لیا۔ ڈاکٹر طاہرہ صدیقہ کے بقول:

> "پہلی جنگ عظیم ختم ہو چکی تھی مگر جنگ کے قصے ہر گھر میں جاری تھے اور ساتھ ہی دوسری جنگ عظیم کی تیاری میں بھرتی زوروں پر تھی۔ دوسری جنگ عظیم میں پہلی جنگ عظیم کی طرح فوجی بھرتی کے لیے کسی جبر کی ضرورت نہ رہی تھی کیونکہ ہندوستانی نوجوان رجاکارانہ طور پر فوج میں بھرتی ہو رہے تھے کیونکہ وہ اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں کو فاقوں سے مرتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ برطانوی

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

استعمار نے رضاکارانہ بھرتی کی فضا پیدا کرنے کی خاطر ایک طرف حفیظ جالندھری کی طرح کے شعرا کے جنگی ترانوں سے کام لیا تو دوسری طرف افلاس کے جہنم کو دہکانے اور لوگوں کو فوج میں بھرتی کے لیے پسماندہ رکھنے کی بھی باقاعدہ منصوبہ بندی کی۔"[۳]

اس جنگ میں ہندوستان سے تقریباً پچیس لاکھ فوجیوں نے خدمات انجام دیں، جو اس دور میں کسی نو آبادیاتی علاقے سے بھرتی ہونے والی سب سے بڑی رضاکار فوجی قوتوں میں شمار ہوتی تھی۔ جنگ کے ابتدائی مرحلے میں ان کی شمولیت نسبتاً محدود تھی تاہم وقت گزرنے کے ساتھ جنگی ضروریات میں اضافے کے باعث ان کی شرکت میں تیزی آئی۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی اپنی خود نوشت میں لکھتے ہیں:

"سیاست اس زمانے میں اپنے شباب سے ہم کنار تھی۔ لکھنؤ کانگریس اور مسلم لیگ کی سیاست کا گڑھ تھا۔ جنگ عظیم ختم ہونے کا نام نہیں لیتی تھی۔ جگہ جگہ بھرتی کے دفتر کھلے ہوئے تھے اور پیٹ کے دوزخ کو بھرنے کے لیے لوگ انگریز کی فوج میں سپاہیوں کی حیثیت سے بھرتی ہو رہے تھے۔ صرف چند مہینے کی ٹریننگ کے بعد انھیں لام پر بھیج دیا جاتا تھا۔ جو ذرا پڑھے لکھے تھے انھیں فوج میں کمیشن مل جاتا تھا۔ میرے بعض یونیورسٹی کے ساتھیوں نے بھی مجبوراً کمیشن لے لیا۔۔۔ ہندوستان کی برطانوی حکومت زیادہ سے زیادہ ہندوستانیوں کو فوج میں بھرتی کرنے اور مختلف محاذوں پر لڑنے کے لیے زمین آسمان کے قلابے ملا رہی تھی۔ اس نے ایک ادارہ قائم کیا تھا جس کا نام تو "سانگ پبلسٹی" تھا لیکن جس کا مقصد برطانوی فوج میں ہندوستانیوں کی تعداد کو زیادہ سے زیادہ بڑھانا تھا۔ اس کے سربراہ مشہور شاعر حضرت ابوالاثر حفیظ جالندھری تھے اور ان کے معاون اردو کے مشہور مزاح نگار شوکت تھانوی تھے۔ یہ لوگ حکومت کے لیے جو کچھ کرتے تھے وہ تو صیغہ راز میں رہتا تھا لیکن ان کی کارگزاری سے سب ہی واقف تھے۔ یہ لوگ نہایت سٹل طریقے سے انگریزوں کا پروپیگنڈا کر کے اپنا مقصد نکالنے کی کوشش کرتے تھے۔"[۴]

ہندوستانی فوجیوں نے محض میدانِ جنگ میں لڑنے تک اپنی ذمہ داریاں محدود نہیں رکھیں بلکہ طبی امداد، مواصلات، بحری اور فضائی شعبوں میں بھی اہم خدمات سرانجام دیں۔ ان ہندوستانی سپاہیوں نے یورپ، شمالی افریقہ، مشرقِ وسطیٰ اور جنوب مشرقی ایشیا سمیت مختلف علاقوں میں جنگی ذمہ داریاں نبھائیں۔ انہیں شدید موسمی حالات، خوراک اور پانی کی قلت، دشمن کے حملوں اور ہر وقت موت کے خطرے جیسے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ ان فوجیوں کی قربانیوں اور تجربات نے ہندوستان کی عسکری تاریخ میں ایک اہم مقام حاصل کیا جبکہ ان کی جنگی زندگی کے حالات اس عہد کی سیاسی اور سماجی صورتِ حال کو سمجھنے میں بھی مدد دیتے ہیں۔

جاپان کے ہاتھوں برما پر قبضے کے بعد یہ خطہ برطانوی ہند کے لیے مشرقی سرحد پر ایک اہم دفاعی مسئلہ بن گیا تھا۔ ہندوستانی فوج کو اس محاذ پر نہ صرف جاپانی افواج کا سامنا کرنا پڑا بلکہ وہاں کے ناموافق موسمی اور جغرافیائی حالات نے بھی اس کی مشکلات میں اضافہ کیا۔ برما کے گھنے جنگلات، دلدلی زمین، شدید حبس اور مسلسل بارشوں نے جنگی سرگرمیوں کو انتہائی دشوار بنا دیا تھا۔ بارشوں کے باعث کچے راستے کیچڑ میں تبدیل ہو جاتے اور زمین اتنی نرم پڑ جاتی کہ فوجی گاڑیاں، توپیں اور دیگر بھاری سامان راستے ہی میں دھنس جاتا۔ اس صورتِ حال میں فوجی دستوں کی نقل و حرکت متاثر ہوتی اور انہیں اپنی منزل تک پہنچنے میں غیر معمولی وقت لگتا تھا۔ رسد کی ترسیل بھی ایک بڑا مسئلہ بن چکی تھی، کیونکہ دشوار گزار راستوں کے باعث خوراک اور دیگر ضروری اشیا بروقت فوجیوں تک نہیں پہنچ پاتی تھیں۔ اس کے نتیجے میں سپاہیوں کو کئی مرتبہ بنیادی ضروریات کی کمی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

مسلسل بارشوں اور مرطوب آب و ہوا نے فوجیوں کی روزمرہ زندگی کو بھی متاثر کیا تھا۔ ان کے کپڑے اور جوتے کئی کئی دن تک گیلے رہتے، جس سے جسمانی تکلیف کے ساتھ مختلف جلدی مسائل اور زخموں کی شکایات پیدا ہوتی تھیں۔ نمی اور صفائی کے نامناسب انتظامات کے باعث معمولی زخموں کا ٹھیک ہونا بھی مشکل ہو جاتا تھا۔ دوسری طرف جنگلات اور کھڑے پانی نے مچھروں کی افزائش میں اضافہ کر دیا تھا، جس سے ملیریا سمیت مختلف بیماریوں نے فوجیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ان امراض کے باعث بہت سے سپاہی جنگی خدمات انجام دینے کے قابل نہیں رہتے تھے۔ یوں ہندوستانی فوجیوں کو برما کے محاذ پر دشمن کی گولیوں کے ساتھ ساتھ موسم، بیماریوں، خوراک کی کمی اور دشوار گزار راستوں سے بھی مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ یہ تمام حالات اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ برما کی جنگ میں قدرتی ماحول بھی فوجیوں کے لیے ایک مستقل آزمائش بنا ہوا تھا۔ جنرل ایوب خان برما میں جاپانیوں سے لڑائی کے دوران عام سپاہیوں کو جن مشکلات کا سامنا تھا ان کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

"ہم برما پہنچے اور جیسے ہی دریائے چند ون کو پار کر کے دریائے ایراودی کی طرف بڑھے، جاپانیوں سے ہماری گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی۔ ایراودی کو عبور کرنے کے بعد ہم لڑتے بھڑتے مانڈلے پہنچ گئے۔ یہ جنگل میں بڑی تند و تیز دست بدست لڑائی تھی۔ وہاں بارش لگاتار ہوتی رہتی تھی اور جب ہمارے خیمے بہت بھیگ جاتے تو ہم ان بھٹوں میں پناہ لیتے جو دشمن کی گولہ باری سے بچنے کے لئے زمین میں کھودے گئے تھے۔ لیکن وہاں ہمیں مچھروں سے چھٹکارا نہیں ملتا تھا۔ ہمارا وقت یا تو دانوں اور خراشوں کی دیکھ بھال میں کٹتا تھا یا مچھروں کو پرے ہٹانے میں۔ راشن عموماً کافی ملتا تھا۔ ایک دن صبح کو تین ڈکوٹا ہوائی جہازوں نے آسٹریا سے آئی ہوئی یخ مرغیاں گرائیں۔ جنہیں سب نے بہت مزے لے لے کر کھایا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ مرغیاں ایک برطانوی رجمنٹ کے لئے کرسمس کے تحفے کے طور پر بھیجی گئی تھیں۔ اس پر بڑی جواب طلبیاں ہوئیں مگر ہم کیا کر سکتے تھے۔ جاپانی لگاتار ہم پر حملے کرتے تھے اور میں اکثر اپنے ارد گرد لاشوں کے انبار دیکھا کرتا تھا۔"[۵]

جنگ کے دوران فوجیوں کی اموات کا سبب صرف دشمن کی فائرنگ یا میدانِ جنگ میں لگنے والے زخم نہیں تھے بلکہ ناموافق حالات اور مختلف بیماریوں نے بھی ان کی زندگیوں کو خطرے میں ڈال رکھا تھا۔ طویل عرصے تک جنگی محاذوں پر تعینات رہنے، مسلسل جسمانی مشقت، نامناسب موسم اور طبی سہولیات کی کمی نے فوجیوں کی صحت پر منفی اثرات مرتب کیے۔ خوراک کی ناکافی مقدار اور غیر متوازن غذائی ضروریات نے ان کی جسمانی قوت کو مزید کمزور کر دیا تھا۔ ان حالات میں تپِ دق ایک سنگین بیماری کے طور پر سامنے آئی، جس نے متعدد فوجیوں کو متاثر کیا۔ بھاری اسلحہ اور فوجی سامان اٹھا کر طویل فاصلے تک پیدل سفر کرنا، مسلسل تھکاوٹ، آرام کے مناسب مواقع نہ ملنا اور ناقص غذائی حالات ان کی جسمانی مزاحمت کو متاثر کرتے تھے۔ تپِ دق کے باعث پھیپھڑوں کی صحت متاثر ہوتی اور مریضوں کو کھانسی، کمزوری اور سانس لینے میں دشواری جیسی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ جنگی حالات میں مناسب تشخیص اور علاج کی عدم دستیابی نے اس مرض کی شدت میں مزید اضافہ کیا۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ جنگ کے خاتمے کے بعد بھی اس بیماری کے اثرات ختم نہیں ہوئے بلکہ بعض فوجی طویل عرصے تک اس کے جسمانی اور طبی نتائج بھگتتے رہے۔ اس طرح جنگی تجربات نے واضح کیا کہ میدانِ جنگ میں سپاہیوں کو صرف دشمن کے حملوں ہی سے نہیں بلکہ بیماری، غذائی قلت اور مسلسل جسمانی مشقت سے بھی اپنی جانیں بچانے کی جدوجہد کرنا پڑتی تھی۔ ڈاکٹر شکیل الرحمٰن نے اپنی خود نوشت میں ایک ایسے خاندانی کردار کا ذکر کیا ہے جو اس صورتِ حال کی انسانی تصویر دکھاتا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ جنگ ختم ہونے پر جو لوگ گھروں سے بھاگ کر فوج میں شامل ہوئے تھے وہ آہستہ آہستہ لوٹنے لگے:

"جب جنگ ختم ہوئی تو بہت سے ایسے شہری جو اپنے گھروں سے بھاگ کر سپاہی بن گئے تھے اور جانے انھیں کن محاذوں پر رکھا گیا تھا آہستہ آہستہ واپس آنے لگے، معلوم ہوا کہ اکثر لوگوں کی فوجی ملازمتیں عارضی نوعیت کی تھیں لہٰذا انہیں چھٹی دے دی گئی، کچھ ایسے تھے جو بھاگ کر واپس آگئے تھے اور کچھ ایسے جو بعض مہلک اور موذی امراض کے شکار ہوگئے تھے اور برطانوی حکومت کو ان کی ضرورت نہیں تھی، ان ہی سپاہیوں میں نقی میاں بھی تھے جو اچانک حویلی چھوڑ کر فوج میں بھرتی ہوگئے تھے وہ تپ دق کے مریض بن کر واپس آئے۔ اس زمانے میں اس مرض کا علاج آسان نہ تھا اور ان کا کوئی مددگار بھی نہ تھا جو ان کے بہتر علاج کا انتظام کرتا، نقی میاں نے ابتدا میں اس کے ساتھ تعلیم حاصل کی تھی پھر ایک آزاد پروانے کی مانند ادھر ادھر پھرے، عمر میں کافی بڑے تھے لیکن اس کے باوجود اس کے ساتھ مختلف کھیلوں میں شامل رہتے۔"[۶]

اس اقتباس سے برطانوی فوجی نظام کے اس رویے کی نشان دہی ہوتی ہے جس میں سپاہی کی اہمیت زیادہ تر اس کی جنگی خدمات اور جسمانی صلاحیت تک محدود تھی۔ جب کوئی فوجی بیماری یا جسمانی کمزوری کے باعث اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کے قابل نہ رہتا تو اس کی مشکلات میں کمی آنے کے بجائے اضافہ ہو جاتا تھا۔ خصوصاً تپِ دق جیسی بیماری میں مبتلا ہو کر واپس آنے والے سپاہیوں کے لیے حالات انتہائی تکلیف دہ تھے، کیونکہ اس دور میں اس مرض کا علاج طویل اور دشوار تھا اور مریضوں کی دیکھ بھال کے مناسب وسائل بھی میسر نہیں تھے۔ ایسے فوجیوں کو نہ صرف بیماری سے لڑنا پڑتا بلکہ انہیں معاشی اور گھریلو مسائل کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا۔ ان کی تیمارداری اور کفالت کی ذمہ داری بالآخر ان کے خاندانوں پر آ پڑتی تھی، جس سے گھر کے دیگر افراد بھی متاثر ہوتے تھے۔ اس صورتِ حال سے اندازہ ہوتا ہے کہ جنگی خدمات کے

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

دوران فوجیوں نے جو قربانیاں دیں، ان کے بعد کی زندگی میں انہیں مناسب سہارا فراہم کرنے کا کوئی مؤثر انتظام موجود نہیں تھا۔ دوسری جانب خود نوشت کے راوی کا بعض نوجوانوں کو گھریلو حالات سے تنگ آ کر فوج میں شامل ہونے یا گھر چھوڑ کر نکلنے والوں میں شمار کرنا بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فوج میں شمولیت کے پس منظر میں صرف حب الوطنی یا روزگار کی خواہش ہی کارفرما نہیں تھی بلکہ بعض نوجوان اپنے گھریلو ماحول اور ذاتی پریشانیوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے بھی فوجی زندگی اختیار کرتے تھے۔ یوں یہ تحریر جنگ کے ان انسانی پہلوؤں کو سامنے لاتی ہے جو میدانِ جنگ سے واپسی کے بعد بھی سپاہیوں اور ان کے خاندانوں کی زندگیوں پر اثر انداز ہوتے رہے۔

شمالی افریقہ کا محاذ بھی ہندوستانی فوجیوں کے لیے مشکلات اور آزمائشوں سے بھرپور تھا۔ یہاں برطانوی، جرمن اور اطالوی افواج کے درمیان جاری جنگ میں ہندوستانی سپاہیوں کو حصہ لینا پڑا، جہاں صحرائی ماحول نے ان کی مشکلات میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ برما کے گھنے جنگلات اور مرطوب آب و ہوا کے برعکس شمالی افریقہ کا ماحول شدید گرم اور خشک تھا۔ شمالی افریقہ کا محاذ ہندوستانی فوجیوں کے لیے غیر معمولی سختیوں اور مشکلات کا میدان تھا جہاں انہیں دشمن کی افواج کے ساتھ مقابلے کے علاوہ صحرا کی دشوار گزار فطری کیفیت سے بھی نبرد آزما ہونا پڑتا تھا۔ اس علاقے میں پانی کی شدید کمی ایک بنیادی مسئلہ تھی، کیونکہ طویل فاصلوں پر پھیلے ہوئے صحرائی علاقوں میں پینے کے صاف پانی کا حصول آسان نہیں تھا۔ شدید گرمی اور تیز گرم ہواؤں نے فوجیوں کی جسمانی قوت کو بری طرح متاثر کیا، جبکہ انہیں بھاری اسلحہ اور دیگر جنگی سامان اٹھا کر طویل مسافتیں طے کرنا پڑتی تھیں۔ مسلسل دھوپ میں پیدل سفر کرنے اور مناسب مقدار میں پانی دستیاب نہ ہونے کے باعث سپاہیوں کو شدید پیاس، تھکن اور جسمانی کمزوری کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ بعض اوقات درجۂ حرارت کی شدت کے باعث ہیٹ اسٹروک جیسے مسائل بھی پیدا ہو جاتے تھے، جو ان کی زندگی کے لیے خطرہ بن سکتے تھے۔ دوسری جانب ریت کے طوفان جنگی سرگرمیوں میں مزید رکاوٹ پیدا کرتے تھے۔ تیز ہواؤں کے ساتھ اڑتی ہوئی ریت سے راستے دھندلا جاتے، دیکھنے کی صلاحیت متاثر ہوتی اور فوجی گاڑیوں کی نقل و حرکت مشکل ہو جاتی تھی۔ ان حالات میں فوجی دستوں کے لیے ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچنا اور اپنے مقررہ اہداف حاصل کرنا آسان نہیں رہتا تھا۔ اس طرح شمالی افریقہ کے صحرا میں ہندوستانی سپاہیوں کو نہ صرف دشمن کی فوجی طاقت کا سامنا کرنا پڑا بلکہ شدید گرمی، پانی کی قلت، جسمانی مشقت اور ریت کے طوفانوں نے بھی ان کی جنگی زندگی کو ایک مسلسل آزمائش بنا دیا تھا۔ کرنل محمد خان نے اپنی خود نوشت "بجنگ آمد" میں اس محاذ کی روزمرہ کی تفصیل نہایت قریب سے بیان کی ہے۔ سیدی رزیغ جیسے صحرائی محاذ کی سختیاں اس حقیقت کو نمایاں کرتی ہیں کہ جنگ صرف ہتھیاروں اور فوجی حکمتِ عملی کا نام نہیں بلکہ اس میں رسد اور بنیادی ضروریات کی فراہمی بھی غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔ اگر فوجیوں تک بروقت مناسب خوراک اور پانی نہ پہنچے تو ان کی جنگی صلاحیت متاثر ہونا فطری امر ہے۔ اس اعتبار سے خوراک اور پانی کی قلت کو دوسری جنگِ عظیم میں فوجیوں کو درپیش ان مسائل میں شمار کیا جا سکتا ہے جنہوں نے ان کی جسمانی برداشت اور ذہنی کیفیت دونوں کو متاثر کیا کرنل محمد خان کے بقول:

> "سیدی رزیغ کی زندگی عام روزمرہ کی آسائشوں سے یکسر خالی تھی جرمن توپیں کسی وقت ایک سو الیہ گولہ پھینک سکتی تھیں اور پھر نہایت آتشین مکالمہ شروع ہو جاتا، لہٰذا میس کھڑا کرنے کا تکلف کسی قدر بیجا تھا۔ بس ہر روز ڈبل روٹی کا ایک ٹکڑا، بلی بیف کا ایک ٹین اور پھل کا ایک ڈبہ مل جاتا جو کسی چٹان کی اوٹ میں بیٹھ کر ان دھوئے ہاتھوں سے کھا لیتے وہاں ہاتھ دھونے کے لوازمات میسر نہ تھے۔ پانی فقط زبان تر کرنے کے کام آتا تھا۔ باقاعدہ پانی پینے کا دستور نہ تھا اور ہاتھ منہ دھونا تو ایسی عیاشی تھی جسے یاد کرنے کی دل حزیں کو اجازت نہ تھی۔ چوبیس گھنٹوں کے لئے پانی کا راشن فقط ایک بوتل تھا اور صحرا میں پیاس کو واجبی طور پر بجھانے کے لئے بھی ایک واجبی سی جھیل کی ضرورت ہوتی ہے، چنانچہ ہم نے کبھی ایک سالم گھونٹ کو اپنے حلق سے نیچے اترتے نہ دیکھا۔ بس بوتل کو منہ سے لگاتے اور جونہی زبان کو ایک گرم مرطوب سا احساس ہوتا اسے زبان سے علیحدہ کر دیتے۔ بخدا ہمارا پانی پینا پیاس بجھانے کے لئے نہ تھا، بلکہ اس لئے کہ بلی بیف کے سست رو لقموں کا گلے میں کیو، نہ لگ جائے۔ پھر ہر کھانے میں خواہ وہ بلی بیف ہو یا سینڈوچ، ایک مناسب مقدار سحرائی ریت کی بھی ضرور شامل ہو جاتی۔"[۷]

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

صحرا میں پانی کتنی بڑی نعمت تھا۔ سپاہی داڑھی بڑھانے کو مجبور ہو گئے، اور مصنف اسے آرچ بشپ کی شکل سے تشبیہ دے کر ہنسی کا سامان بناتا ہے۔ یہ اندازِ بیان دراصل مشکل حالات میں حوصلہ برقرار رکھنے کا ایک طریقہ ہے۔ جو چیز رلا سکتی ہے اسے مذاق میں بدل کر قابلِ برداشت بنالیا جاتا ہے۔ شمالی افریقہ کا ماحول سپاہی کو لڑائی کے ساتھ ساتھ فطرت سے بھی لڑنے پر مجبور کرتا تھا:

"۷ اجون ۱۹۴۶ء کی صبح طلوع ہوئی تو اس میں افریقہ کے صحرا اور سیدی رزیغ کی پہاڑی کے لئے کوئی خاص بات نہ تھی لیکن سیدی رزیغ کے مورچہ بندوں کے لئے یہ صبح بڑی خاص صبح تھی کہ آج ان کی موت اور زندگی کا سوال زیر بحث آنا تھا، لیکن ذرا پچھلے پہر۔ سردست مشرق سے سورج آہستہ آہستہ بلند ہو رہا تھا اور اس کے ساتھ بار دو صحرا بتدریج ایک تپتے جھلسے آوے مین تبدیل ہو رہا تھا۔ سیدی رزیغ کے غاروں سے ہمارے بر گیڈ ہیڈ کوارٹر کے افسر اور عہدیدار رات کی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر باہر نکلتے تو اپنی برساتیوں سے جو رات کو شبنم کے قطرے جمع کرنے کے لئے بچھا رکھتے تھے، چلو بھر پانی جمع کرتے۔۔ڈوب مرنے کے لئے نہیں، شیو کرنے کے لئے۔۔یہ شبنم ہم صحرا نوردوں کے لئے من وسلویٰ کے کم نہ تھی، ورنہ ہمارے پانی کے راشن پر حجامت کا بوجھ ناقابل برداشت ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ ہم میں سے کئی ایک نے اپنی داڑھیوں کی بے پناہ یلغار کے آگے استرے ڈال دیئے تھے اور اچھے خاصے آرچ بشپ نظر آتے تھے۔"۸

دوسری جنگِ عظیم کے دوران ہندوستانی فوجیوں کو صرف میدانِ جنگ میں ہی مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا بلکہ جاپانی افواج کے ہاتھوں جنگی قیدی بننے والے سپاہیوں کی زندگی بھی شدید اذیت اور خوف کا شکار رہی۔ جاپانی پیش قدمی کے نتیجے میں بڑی تعداد میں ہندوستانی فوجی گرفتار ہوئے، جنہیں دورانِ اسارت جسمانی تشدد اور ذہنی اذیت سے گزرنا پڑا۔ ان پر مختلف طریقوں سے دباؤ ڈالا جاتا تاکہ وہ اپنی فوج کی حکمتِ عملی، عسکری منصوبوں اور دیگر خفیہ معلومات سے متعلق راز افشا کر دیں۔ قید کے دوران مسلسل تشدد اور غیر یقینی صورتِ حال نے ان فوجیوں کے ذہنوں میں موت کا خوف پیدا کر دیا تھا۔ دوسری جانب برطانوی فوج میں سپاہیوں کو دورانِ جنگ اس بات کی تربیت دی جاتی تھی کہ اگر وہ دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہو جائیں تو کسی بھی صورت میں فوجی راز ظاہر نہ کریں۔ اس تربیت نے ان کے رویوں اور سوچ پر بھی اثر ڈالا، چنانچہ وہ دورانِ جنگ اجنبی افراد پر جلد اعتماد کرنے سے گریز کرتے تھے اور مخبروں یا دشمن کے حامی عناصر سے محتاط رہتے تھے۔ اس صورتِ حال کی ایک جھلک ایوب خان کی خودنوشت میں بھی ملتی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ 1945ء کے موسمِ بہار میں ان کی تعیناتی شمال مغربی سرحد پر درۂ خیبر کے قریب تھی۔ اس دوران ان کی سابقہ بٹالین ملایا کے محاذ پر بھیجی گئی تھی جہاں جاپانی افواج نے اسے گرفتار کر لیا تھا۔ ان کے بعض افسران دورانِ اسارت انڈین نیشنل آرمی میں شامل ہو گئے تھے، جو جاپانی سرپرستی میں قائم کی گئی تھی۔ جنگ کے بعد ایوب خان کو اپنی بٹالین کی از سرِ نو تیاری کے لیے فیروزپور کے تربیتی مرکز بھیجا گیا جہاں انہیں ان سابقہ قیدیوں سے ملاقات کا موقع ملا۔ ان کا یہ بیان جنگی قیدیوں کی زندگی، اسیری کے اثرات اور جنگ کے بعد فوجی تعلقات میں پیدا ہونے والی پیچیدگیوں کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ اس طرح ایوب خان کی خودنوشت میں جنگ کا ایک ایسا پہلو سامنے آتا ہے جس میں گرفتاری، تشدد، وفاداری اور اعتماد کے مسائل نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ بقول جنرل ایوب خان:

"۱۹۴۵ء کے موسم بہار میں میرا تبادلہ ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر ہو گیا۔ وہاں مجھے پندرھویں پنجاب رجمنٹ کی ایک بٹالین کی کمان دی گئی جو درہ خیبر میں لنڈی کوتل کے مقام پر متعین تھی۔ جب میں باہر تھا تو میرے پیچھے میری پرانی چودھویں پنجاب کی بٹالین کو ملایا بھیجا گیا تھا اور اسے جاپانیوں نے گرفتار کر لیا تھا۔ جب میں نے یہ خبر سنی تو دم بخود رہ گیا۔ ہمارے کچھ افسر جو گرفتار ہو گئے تھے انڈین نیشنل آرمی میں شامل ہو گئے۔ یہ فوج جاپانیوں کی تحریک سے بنی تھی۔ جب جنگ ختم ہوئی تو مجھے اس رجمنٹ کے تربیتی مرکز میں بھیجا گیا جو فیروزپور میں تھا تاکہ میں اپنی پرانی بٹالین کو نئے سرے سے تیار کر سکوں۔ وہاں ان سابق قیدیوں جنگی قیدیوں میں سے کچھ لوگ ہم میں شامل ہونے کے لیے واپس آ گئے۔ میں نے دیکھا کہ ابھی تک ان کی جسمانی اور دماغی حالت بہت بری تھی۔ وہ ہڈیوں کے ڈھانچے رہ گئے تھے۔ اور ان کے چہروں سے بدسلوکی کے آثار نمایاں تھے۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ بہت مکار اور شکی بن گئے ہیں۔ جنگی قیدیوں کی حیثیت سے انہیں جو تجربہ حاصل ہوا تھا اس نے انہیں بہت چوکنا اور ہوشیار بنا دیا تھا اور وہ بات چیت میں بڑی احتیاط برتتے تھے۔"۹

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

دوسری جنگِ عظیم کے دوران ہندوستانی فوجیوں کو جن نفسیاتی مسائل کا سامنا کرنا پڑا، ان میں خوف، ذہنی دباؤ اور اخلاقی کشمکش خاص اہمیت رکھتے تھے۔ جنگی حالات میں جب کوئی سپاہی کسی دوسرے انسان کی جان لیتا یا اپنے سامنے لاشوں اور تباہی کے مناظر دیکھتا تو اس کے ذہن پر گہرے اثرات مرتب ہوتے تھے۔ اگرچہ فوجیوں کو جنگی تربیت کے ذریعے دشمن کا مقابلہ کرنے اور ضرورت پڑنے پر اسے ہلاک کرنے کے لیے تیار کیا جاتا تھا لیکن انسانی فطرت میں موجود احساسِ ہمدردی اور اخلاقی شعور اس عمل کو آسانی سے قبول نہیں کرتا۔ خصوصاً پہلی مرتبہ قتل وغارت کے تجربے سے گزرنے والے سپاہیوں کے لیے یہ صورتِ حال شدید ذہنی صدمے کا باعث بن سکتی تھی۔ دشمن کے مرنے کے بعد اس کی ذاتی اشیا، خاندانی تصاویر یا دیگر یادگاروں کو دیکھ کر بھی فوجیوں کے اندر احساسِ ندامت اور انسانی ہمدردی پیدا ہو سکتی تھی۔ ایسے تجربات بعض اوقات طویل عرصے تک ذہن میں محفوظ رہتے اور بعد ازاں خوف، بے چینی، ڈراؤنے خوابوں اور ذہنی اضطراب کی شکل اختیار کر لیتے تھے۔ جدید نفسیاتی اصطلاح میں اس کیفیت کو پوسٹ ٹرامیٹک اسٹریس ڈس آرڈر (PTSD) کہا جاتا ہے۔ اس حوالے سے میجر اسحاق کی خودنوشت "شتر غمزے" خاص اہمیت رکھتی ہے جس میں وہ اپنی پہلی جنگی مہم کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق جاپانی فوجیوں کے پیچھے ہٹنے کے بعد جب ان کا دستہ آگے بڑھا تو وہاں ہلاک ہونے والے جاپانی سپاہیوں کی تلاشی لی گئی۔ یہ واقعہ جنگ کے اس انسانی اور نفسیاتی پہلو کو نمایاں کرتا ہے جس میں ایک فوجی کو عسکری ذمہ داریوں کے ساتھ اپنے اندر پیدا ہونے والے احساسات اور ذہنی کیفیات کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے:

> "کچھ دیر کے بعد جب دیکھا کہ جاپانی غائب ہو گئے ہیں تو نیچے آ گئے۔ مال غنیمت میں بہت کی رائفلیں ملیں اور بہت کی مرغیاں بھی جن کی جاپانیوں نے ٹانگیں باندھ رکھی تھیں۔ دو جاپانی مردہ پائے گئے اور پرمائیں آرمی کے دو برمی قیدی بھی ملے۔ جاپانی مردوں کے سب کپڑے اُتار لیے گئے تاکہ ان کو پیچھے بھیجا جا سکے۔ ان کی جیبوں سے بہت سے کاغذات اور بچوں کی تصویریں ملیں۔ کچھ ان کے خاندان کے گروپ فوٹو تھے۔ ان یتیموں اور بیواؤں کا خیال کر کے کافی دیر مجھ پر رقت طاری رہی۔ انسان انسان کے درپے کیوں تھا؟ میرا یہ جنگ کا پہلا دن تھا۔ اسی دن بٹالین کی طرف سے چار آدمیوں کا ایک پٹرول کئی دن جنگلوں میں بھٹکنے کے بعد ہمارے پاس پہنچا۔ میں نے جاپانیوں کی وردیاں اور کاغذات ان کے حوالے کئے۔ ایک مفصل رپورٹ بھی لکھ کر دی اور واپس چلتا کیا۔"[۱۰]

دوسری جنگِ عظیم کے دوران فوجیوں کو جن بنیادی مسائل کا سامنا کرنا پڑا، ان میں موت کا مستقل خوف بھی نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔ میدانِ جنگ میں موجود سپاہی کو ہر وقت اس حقیقت کا احساس رہتا تھا کہ دشمن کی طرف سے ہونے والا کوئی بھی حملہ اس کی زندگی کا خاتمہ کر سکتا ہے۔ جنگی حالات میں موت کسی دور کی یا غیر یقینی حقیقت نہیں رہتی بلکہ فوجی کے روزمرہ تجربے کا حصہ بن جاتی ہے۔ گولیوں کی بوچھاڑ، توپوں کی گھن گرج، بمباری اور اچانک ہونے والے حملوں نے فوجیوں کو مسلسل اس احساس میں مبتلا رکھا کہ اگلا لمحہ ان کی زندگی کا آخری لمحہ بھی ہو سکتا ہے۔ سیدی رزیغ کے صحرائی محاذ پر ہندوستانی افواج کو بھی اسی صورتِ حال کا سامنا تھا۔ صحرائی علاقے کی سخت موسمی کیفیت، محدود وسائل اور جنگی خطرات نے فوجیوں کی مشکلات میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ ایک طرف انہیں دشمن کے مقابلے کے لیے ہر وقت تیار رہنا پڑتا تھا اور دوسری طرف انہیں اپنی جان کے تحفظ کی فکر بھی لاحق رہتی تھی۔ جنگی محاذ پر موجود سپاہی کے لیے یہ جاننا مشکل ہوتا تھا کہ دشمن کی کارروائی کب شروع ہو گی اور اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ اس مسلسل غیر یقینی کیفیت نے فوجیوں کی ذہنی حالت پر گہرا اثر ڈالا۔ کرنل محمد خان لکھتے ہیں:

> "صرف چند میل جنوب میں جرمن فوجیں ہمارے بر گیڈوں سے برسرپیکار تھیں۔ توپوں کی گھن گرج سے فضا میں ایک ہیبت ناک اور مستقل سی گونج تھی جس میں شنوندگان گرامی یعنی ہمارے لئے کچھ تواضع کا رنگ نہ تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ہر گولہ ہمارے سر پر ہی بار امانت ہلکا کرے گا، چنانچہ پہلی رات گولہ شماری میں ہی کٹی۔ دوسری رات کسی قدر مانوس ہونے لگے، لیکن مانوس ہونے کے بعد بھی ہمارا استعمال تو یہی تھا کہ جونہی ضرورت پڑے ہمیں مقتل میں جھونک دیا جائے۔ سو ہماری دماغی کیفیت وہی تھی جو بقر عید سے پہلے ہر دور اندیش بکرے کی ہوتی ہے اور بمشکل دو ہفتے گزرے تھے کہ ہمارے بر گیڈ کی بقر عید آ گئی۔ یہ تقریب ہم نے جرمنوں کے ساتھ کس دھوم سے منائی۔"[۱۱]

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

دوسری جنگِ عظیم کے دوران ہندوستانی فوجیوں کو جن حالات اور مشکلات سے گزرنا پڑا، ان کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی جنگی زندگی محض دشمن کے خلاف لڑنے اور عسکری ذمہ داریاں نبھانے تک محدود نہیں تھی بلکہ انہیں مختلف قسم کی جسمانی، معاشی، طبی اور نفسیاتی آزمائشوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ برما کے محاذ پر گھنے جنگلات، مسلسل بارشوں، دلدلی زمین اور مرطوب آب وہوا نے ان کی مشکلات میں اضافہ کیا، جبکہ شمالی افریقہ کے صحرائی علاقوں میں شدید گرمی، پانی کی قلت اور ریت کے طوفان ان کے لیے ایک مستقل چیلنج بنے رہے۔ مختلف محاذوں کے جغرافیائی اور موسمی حالات نے فوجیوں کی نقل و حرکت، خوراک کی فراہمی اور جنگی سرگرمیوں کو متاثر کیا۔ اس کے علاوہ ناقص غذائی صورتِ حال، جسمانی مشقت اور طبی سہولیات کی کمی نے انہیں ملیریا، تپِ دق اور دیگر بیماریوں کا شکار بنایا۔ ان بیماریوں کے اثرات بعض اوقات جنگ کے خاتمے کے بعد بھی ان کی زندگیوں میں برقرار رہے، جس سے نہ صرف متاثرہ فوجیوں بلکہ ان کے خاندانوں کو بھی مشکلات برداشت کرنا پڑیں۔ جنگی قیدیوں کی زندگی بھی ان مشکلات کا ایک اہم پہلو تھی۔ جاپانی افواج کے ہاتھوں گرفتار ہونے والے ہندوستانی سپاہیوں کو جسمانی تشدد، ذہنی اذیت اور مسلسل خوف کی کیفیت سے گزرنا پڑا۔ دورانِ اسارت ان کی وفاداری، فوجی تربیت اور کردار کا امتحان بھی لیا جاتا رہا۔ ایوب خان کی خودنوشت سے اس صورتِ حال کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں، جہاں جنگی قیدیوں کی گرفتاری اور ان میں سے بعض کے انڈین نیشنل آرمی میں شامل ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ دوسری جانب جنگ کے نفسیاتی اثرات بھی غیر معمولی اہمیت رکھتے تھے۔ میدانِ جنگ میں انسانی جانوں کا ضیاع، قتل وغارت کے مناظر اور پہلی مرتبہ دشمن کو ہلاک کرنے کا تجربہ بعض فوجیوں کے لیے شدید ذہنی صدمے کا باعث بنتا تھا۔ میجر اسحاق کی خودنوشت شترِ غمزے میں بیان کردہ واقعات اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ جنگ کے دوران سپاہیوں کو صرف بیرونی دشمن سے نہیں بلکہ اپنے اندر پیدا ہونے والی خوف، ہمدردی اور اخلاقی کشمکش سے بھی نبرد آزما ہونا پڑتا تھا۔

ان تمام حالات کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ دوسری جنگِ عظیم نے ہندوستانی فوجیوں کی زندگیوں کو متعدد سطحوں پر متاثر کیا۔ ان کی جسمانی صحت، ذہنی کیفیت، خاندانی زندگی اور مستقبل سب جنگی تجربات کے زیرِ اثر رہے۔ جنگ کے خاتمے کے بعد بھی بہت سے فوجی بیماریوں، جسمانی کمزوری، ذہنی اضطراب اور معاشی مشکلات سے نجات حاصل نہ کر سکے۔ اس تناظر میں ہندوستانی فوجیوں کی خودنوشتیں اور یادداشتیں خاص اہمیت رکھتی ہیں، کیونکہ ان میں جنگ کے ایسے انسانی تجربات محفوظ ہیں جو عام تاریخی بیانات میں اکثر نمایاں نہیں ہو پاتے۔ بالخصوص کرنل محمد خان کی بجنگ آمد، ایوب خان کی خودنوشت اور میجر اسحاق کی شترِ غمزے جیسی تحریریں جنگ کے مختلف پہلوؤں کو سپاہیوں کے ذاتی مشاہدات اور تجربات کی روشنی میں سمجھنے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ یوں یہ خودنوشت تحریریں دوسری جنگِ عظیم کی محض عسکری تاریخ نہیں بلکہ اس دور کے ہندوستانی فوجیوں کی جسمانی اذیتوں، ذہنی کیفیات، انسانی احساسات اور معاشرتی مسائل کی بھی اہم دستاویزات ہیں۔

حوالہ جات

۱. Antony Beevor, The Second world war, London: Phoenix, 2014 ,p,6

۲۔ سر رضا علی، اعمال نامہ، دلّی: ہندوستانی پبلشرز، ۱۹۴۳ء، ص، ۵۱۱

۳۔ طاہرہ صدیقہ، دوسری جنگ عظیم کے ادب پر اثرات، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص، ۲۱۲، ۲۱۳

۴۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، یادِ عہدِ رفتہ، لاہور: ادارہ ادب و تنقید، ۱۹۸۸ء، ص، ۱۶۶، ۱۶۵

۵۔ ایوب خان، جنرل، (مترجم: غلام عباس)، جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء، ص، ۲۴، ۲۳

۶۔ شکیل الرحمان، ڈاکٹر، آشرم، دہلی: عرفی پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص، ۱۰۵

۷۔ محمد خان، کرنل، بجنگ آمد، لاہور: علی مجید پرنٹرز، ۱۹۹۲ء، ص، ۱۲۲

۸۔ ایضاً، ص، ۱۲۳

۹۔ ایوب خان، جنرل، (مترجم: غلام عباس)، جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء، ص، ۲۵، ۲۴

۱۰۔ میجر اسحاق، شترِ غمزے، لاہور: نیو لائن پبلشرز، ۲۰۱۰ء، ص، ۱۱۱

۱۱۔ محمد خان، کرنل، بجنگ آمد، لاہور: علی مجید پرنٹرز، ۱۹۹۲ء، ص، ۱۰۹، ۱۱۰